مطالعات و تعلیقات

قاضی اطہر مبارکپوری

مہاراشٹر اور گجرات اسلامی تاریخ کے دو مرکز:۔ افراد و اشخاص کو گھر مبارک ہو، خاندانوں اور قبیلوں کو محلے اور بستیاں مبارک ہوں، قوموں اور جماعتوں کو ملک و وطن مبارک ہو، مرہٹوں کو مہاراشٹر مبارک ہو، اور گجراتیوں کو گجرات مبارک ہو، اور ہم تمام ہندوستانیوں کو ہمارے گھر، ہماری بستیاں، ہمارے علاقے مبارک ہوں اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہمیں ہمارا ملک مبارک ہو، اور اس ملک کے ایک ایک چپہ پر مشترک تہذیب و تمدن کے قدرتی رشتے مبارک ہوں، ہندوؤں کو اپنے مذہبی حقوق و روایات مبارک ہوں، اور مسلمانوں کو اپنے دینی احساسات و تعلقات مبارک ہوں، اسی طرح یہاں کے تمام رہنے سہنے والوں کو ان کی قومی، نسلی، تہذیبی، مذہبی، اور فکری قدریں مبارک ہوں،

مسلمانوں کو مہاراشٹر سے دینی اور فکری اعتبار سے بہت ہی قدیم اور گہرا تعلق ہے، جو بہت ہی اہم ہے، اور اب اس کی اہمیت کو واضح ہونا چاہئے، مہاراشٹر کے قدیم مقام تھانہ میں حضرت عمر فاروق خلیفۂ ثانی رضؓ کے زمانہ میں مسلمان مجاہد بن کر آئے، اور فاتح بن کر گئے، اور اس کے بعد سے لے کر آج تک یہ علاقہ اسلام اور مسلمانوں کا بہترین گہوارہ رہا ہے، چیمور اور سوپارہ میں پانچ پانچ ہزار اور دس دس ہزار مسلم تاجر رہتے تھے، جن کی تجارت بین الاقوامی تھی، یہاں کے راجے مہاراجے مسلمانوں کے لئے الگ عدالتیں قائم کرتے تھے، اور ان کے لئے مستقل قاضی و ہنرمند مقرر کرتے تھے جو مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے، اور ان کا فیصلہ راجوں کا فیصلہ ہوتا تھا، مسلمانوں کی مسجدیں اور عبادت گاہیں تھیں، جن میں وہ آزادی سے خدا کی عبادت کرتے تھے،

اسی طرح گجرات کے قدیم اور تاریخی شہر بھڑوچ سے اسلام اور مسلمانوں کو عہد فاروقی ہی سے تعلق رہا ہے، اور اس زمانہ سے لے کر آج تک یہ علاقہ مسلمانوں کا گھر بنا رہا، اسی صوبہ میں احمد آباد شاہان گجرات کا مرکز ہے، جہاں سے دین

اور علم و عمل کے چشمے پھوٹے ہیں، جہاں کے مسلم حکمراں کے بارے میں یہ فیصلہ مشکل ہے کہ وہ فقیری میں بادشاہی کرتے تھے، یا شہنشاہی میں فقیری کرتے تھے، اس صوبہ کو روحانیت سے بڑا تعلق رہا ہے، اور ایسے ایسے باکمال اس سرزمین سے اٹھے ہیں جن کی مثال نہیں مل سکتی، اگر گجرات میں بھڑوچ، سورت، سدھپور، کھمبایت، احمد آباد، گندھار، [illegible] وغیرہ اسلام اور مسلمانوں کے مرکز رہے ہیں، اور ان میں ان کا جلال و جمال دفن ہے تو مہاراشٹر میں بمبئی، ماہم، تھانہ، سوپارہ، جمپور، چیول، احمد نگر، اورنگ آباد، خلد آباد وغیرہ مسلمانوں کے تہذیبی، تمدنی، اور دینی و فکری مکاتب موجود ہیں، جہاں سے علم و فضل اور دین و دیانت کی شمعیں روشن ہوئیں،

ان حقائق کے پیش نظر مسلمانوں کے دینی اور مذہبی لحاظ سے بھی مہاراشٹر اور گجرات بہت ہی اہم مقامات ہیں، اور ان کی آبادیوں سے ان کو قلبی تعلق ہے، ضرورت ہے کہ دونوں صوبوں کے مسلمان اپنی قدیم روایات کی تحقیق کریں، اور دونوں صوبوں کی ماضی میں عظمت و اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے، اور ان مقامات میں اپنے دینی و فکری ورثہ کا کھوج لگائیں،

یہ کون سی دینی خدمت ہوئی؟

خبر ہے کہ مفتی اعظم مصر نے فتویٰ دیا ہے کہ دانتوں میں برش کرنے یا انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، مسلمان روزہ کی حالت میں عورت کی طرف دیکھ سکتا ہے بشرطیکہ اس کی نیت گناہ کی نہ ہو، شوہر اپنی بیوی کو سینے سے لگا سکتا ہے، اور اسے پیار کر سکتا ہے،

معلوم نہیں مصر کے مفتی اعظم نے کون سی اہم بات فرمائی ہے جو اسے اس طرح نشر کیا جا رہا ہے جیسے دینی و فقہی دنیا میں ایک نئی چیز پیش کی جا رہی ہے، روزہ نہ ٹوٹنے کی یہ باتیں تو علمائے اسلام کے نزدیک ہمیشہ سے معتبر و مسلّم رہی ہیں، اور ان میں کوئی خاص اختلاف نہیں رہا ہے، زیادہ سے زیادہ انجکشن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور عام تحقیق یہ ہے کہ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا، باقی جو باتیں مفتی مصر نے بیان کی ہیں وہ نہ کوئی نئی ہیں، اور نہ ان میں کوئی خاص پہلو ہے، کہ حکومت مصر نے ان کو خاص طور سے نشر کیا ہے، جیسے حکومت مصر کے مفتی نے عالم اسلام کے لئے کوئی نئی بات کہہ دی ہے، اس سے زیادہ جاذب بات تیونس کے مفتی نے صدر بورقیبہ کے اشارے پر کہی تھی کہ نوجوانوں اور طاقتور لوگوں کو محنت شاقہ کرنے کی وجہ سے، روزہ رکھنا ضروری نہیں ہے، جس کے لئے بیچارے صدر بورقیبہ کو معذرت کرنی پڑی، اور توضیحی بیان دینا پڑا،

مصری علماء کی مصلحت بینی!

یہ بات بری طرح محسوس ہو رہی ہے کہ مصر وغیرہ کے علماء میں بہت مصلحت وقت کا فتنہ نظر آ رہا ہے، اور وہ علوم اسلامیہ کو ہنگامی مصلحت اور وقتی سیاست میں پھنسائے رکھتے ہیں، یہی مصری علماء، ایک زمانہ میں فاروق کو خلیفۃ المسلمین بنانے کے چکر میں سید ثابت کرنے لگے تھے، اور جب اسے باہر نکالا گیا تو یہی مصری اسے نہ معلوم کیا کیا ثابت کرنے لگے، جب تک حکومت مصر اور سعودی حکومت میں بنتی رہی یہ علماء، ملک سعود کے بارے میں خوب خوب رطب اللسانی کرتے رہے، اور جس دن صدر ناصر اور شاہ سعود میں

اختلاف ہوا اسی دن سے مصر کے عالموں، واعظوں، اور اماموں نے وہ حدیث منبروں پر پڑھنی شروع کر دی، جس میں نجد کی طرف سے شیطان کے نکلنے کا ذکر ہے، پھر اس حدیث کو سعودی حکمرانوں پر چسپاں کرنے لگے، اور اس کے بعد صدر ناصر کی ہر بات پر لبیک کہنا مصری علماء کا بہترین وظیفہ رہا ہے، اور جمعہ کے خطبات سے لے کر دینی درسگاہوں تک پر موجودہ حکومت کی مصلحت چھائی ہے کہ اب ایسے ایسے معمولی مسائل تک کو حکومت کی ترجمانی کا شرف حاصل ہو رہا ہے، اور مفتی مصر گویا حکومت وقت کی اہم خدمت انجام دے رہے ہیں کہ ایسے ایسے مسائل بیان کر رہے ہیں، ضرورت ہے کہ مصری علماء اپنے موقف پر نظر ثانی کریں، اور عزیمت سے کام لے کر پہلے دین کو دیکھیں، پھر دوسری چیز کو،

مصر کی مظلوم عورتیں

مشرق وسطیٰ اور عرب ممالک میں آج کل جدید اصلاحات ہو رہی ہیں، اور موجودہ حکومتیں معاشرتی زندگی کے لئے قوانین وضع کر رہی ہیں، تاکہ بگڑا ہوا معاشرہ سدھارا جائے، اسی سلسلہ میں مصر میں آزادی نسواں اور نسوانی حقوق کے ساتھ زن و شوہر کے تعلقات کی نوعیت کی بھی تعیین ہو رہی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان علاقوں کا معاشرتی ڈھانچہ کس قدر بگڑا ہوا تھا، اور لوگ کس قدر گری ہوئی زندگی پر قانع تھے،

حال ہی میں مصری عورتوں کے بارے میں جو بیانات اخبارات میں آئے ہیں، اور ان کی مظلومیت اور زبردستی کی جو کردہ کہانیاں سنائی گئی ہیں وہ اپنے کیف و کم کے اعتبار سے حد درجہ نفرت انگیز ہیں، اور ان کو سن کر ان لوگوں پر نفرت کرنے کو جی چاہتا ہے جن کے معاشرہ میں عورت کو اس طرح مظلوم و مقہور رکھنے کا رواج اس طرح عام تھا کہ مدت دراز سے آج تک اصلاح حال کی کسی کو فکر نہیں ہو سکی، اور اب جا کر موجودہ حکومت کو اس کی طرف توجہ ہوئی،

یقین نہیں آتا کہ مصر میں آج تک عورتیں اس قدر مظلوم رہی ہیں، اور وہاں کے معاشرہ میں ان کو اس طرح گرا کر رکھا گیا ہے، اور وہاں کے مصلحین اور سماجی کارکن ابتک تماشا دیکھتے رہے، چھوڑیئے وہاں کے ملّاؤں اور مولویوں کو کہ اس سے ان کی غفلت کا اندازہ ہوتا ہے، شاید یہ کہانی ان کو اور گذشتہ حکومت کو بدنام کر کے اپنے کو نیک ثابت کرنے کی غرض سے گڑھی گئی ہو، اگر مصر میں عورت کے ساتھ اس طرح کا بہیمانہ سلوک ابتک جاری رہا ہے تو نفرت ہے مصری معاشرے پر، اور شاباش ہے موجودہ حکومت کے اصلاحی اقدام کو،

ائمہ مساجد کی سرکاری تربیت!

مغربی پاکستان کی خبر ہے کہ صوبائی حکومت ائمہ مساجد کی تربیت کے لئے کسی ایک تجویز پر غور کر رہی ہے، کیونکہ ائمہ مساجد عوام کی سماجی و اخلاقی ترقی میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں، جبکہ ان کو تعلیم یافتہ بنا دیا جائے، اور ان کی تربیت اچھے انداز میں ہو جائے، حکومت ایسے ائمہ مساجد کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانا چاہتی ہے، جو لیڈرشپ اور عوام کی رہنمائی کی صلاحیت رکھتے ہیں، نیز ائمہ مساجد خیرات کی روزی پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیں، اور باوقار اور خوددار زندگی بسر کریں، ائمہ مساجد کی اصلاح و تربیت پاکستان میں ہو یا مصر و عراق میں یا کسی اور مسلم ملک میں بہت

بڑی مزدوری اور اچھی بات ہے، بشرطیکہ حکومتیں ان اماموں کو دینی اور اسلامی نقطۂ نظر سے ٹریننگ دیں، اور ان کو اپنا آلۂ کار اور تختۂ مشق بنانے کے لئے تیار نہ کریں، اگر مسلم ممالک کی موجودہ حکومتیں اس قدر باوفا، غیر متمرد، اور اسلام کے حق میں مفید ثابت ہونا چاہتی ہیں تو اس سے بڑھ کر ایک مسلمان کے لئے خوشی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے؟ مگر ہمیں تو خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ یہ اسلامی اور دینی مدارس و معابد اور مساجد و جوامع کی تنظیم اور معلمین و ائمہ کی اصلاح و تربیت سرکاری نقطۂ نظر سے نہ ہونے لگے، اور ان کے ذمہ داروں کو حکومت وقت کا ایجنٹ نہ بنایا جائے، کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج کل لادینی حکومتیں اپنے اغراض و مقاصد کے لئے دینی اور مذہبی اداروں کو تاکتی ہیں، اور نہایت ہی حسین و پر فریب انداز میں ان کو اپنا آلہ کار بنانا چاہتی ہیں، اور کلمۃ حق ارید بھا الباطل کا مصداق بنتی ہیں،

دو خبریں: واشنگٹن کی خبر ہے کہ ایک امریکی سائنسداں نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ معمولی تیل ایک زمانہ میں آسمان سے برسا کرتا تھا، اور بعد میں یہ بارش کے پانی کے ساتھ زمین کے اندر چلا گیا، یہ سائنسداں جاوا میں ۱۹۲۰ء سے اس موضوع پر تحقیق کر رہا ہے، نیز اس نے بتایا کہ یہ تیل پہلے پر گرا، اور اس کے پتوں پر جمع ہو گیا؛

یہ تو ایک امریکی سائنسداں کی تحقیق تھی، ہمارے یہاں کے ایک بوڑھے بزرگ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ برسات میں بجلی کی چمک اس طرح ہوتی ہے کہ اتر کی طرف ایک بہت بڑے عمر کی مافوق الفطرت ہستی ہے، اس کی بھویں زمین پر لٹک رہی ہیں، اور جب وہ بھویں اٹھا کر دیکھتی ہے تو بجلی کی چمک پیدا ہو جاتی ہے، اور جب فوراً ہی آنکھ جھپک جاتی ہے تو پھر چمک ختم ہو جاتی ہے، دونوں خبریں ہمارے نزدیک ایک ہی طرح کی ہیں، البتہ ایک خبر چونکہ ایک امریکی سائنسداں سے منسوب ہے جو ۱۹۲۰ء سے تحقیق کر رہا ہے، اس لئے اسے دنیا بھر میں نشر کیا گیا، دنیا بھر کے اخبارات میں چھاپا گیا، دنیا بھر کے لوگوں نے اسے پڑھا، اور بڑے ذوق و شوق سے پڑھا، اور بہت سے لوگوں نے اس پر یقین کیا، اور دوسری خبر ایک پرانے زمانہ کے پرانے خیال کے بوڑھے پرانے آدمی سے تعلق رکھتی ہے، اس لئے وہ واہیات لغو، اور ناقابل التفات ہے، اسی طرح کتنے ہی لغو خیالات اور کتنی ہی لغو باتیں آج کے بڑوں کی زبان سے نکلتی ہیں، اور نظریہ بن کر دنیا پر چھا جاتی ہیں، درآنحالیکہ پرانے زمانہ کی بیکار باتیں اس زمانہ کے عام لوگوں میں صرف روایت اور قصہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان پر اعتقاد و یقین کا وہ رنگ نہیں چڑھتا تھا جو رنگ آج کے بڑوں کی احمقانہ باتوں پر خوب چڑھ جاتا ہے،

بمبئی کا پرانا دینی مزاج: بمبئی عجائب کا شہر ہے، یہاں انواع و اقسام کے صرف تہذیبی، تمدنی اور معاشرتی و معاشی ہی عجائب نہیں ہیں، بلکہ یاروں نے دین اور مذہب میں بھی بہت سے

عجائب و غرائب داخل کر لئے ہیں، اور ان کو دین میں اس طرح ملا دیا ہے، جیسے ان کے بغیر دین میں روح پیدا نہیں ہوتی، اور باہر کا آدمی یہاں آکر اگر اپنے یہاں کے مطابق روزہ نماز اور عبادات کو ادا کرے تو وہ اسلام کا مخالف اور اللہ و رسول کی راہ سے ہٹا ہوا ہے، یعنی یہاں کے اضافے کو اگر کوئی شخص نہ برتے تو وہ اسلام سے دور ہے۔ اور اس میں ایمان کی کمی ہے، گویا بمبئی کے عقائد و اعمال پر جو مسلمان عمل نہ کرے وہ برے القاب کا مستحق ہے، اور اسلام گویا یہیں کا معتبر ہے،

بتائیے کہ بمبئی کے علاوہ ہندوستان کے اور کس گوشے میں اذان سے پہلے بلند آواز سے دعائیں پڑھی جاتی ہیں، اور اذان کے بعد پھر سنت وغیرہ پڑھنے کے لئے تثویب کی جاتی ہے، جمعہ کے خطبہ سے پہلے تنبیہ کی جاتی ہے۔ خطبہ کے درمیان میں عجیب طرز سے دعا مانگی جاتی ہے، صف درست کرانے سے پہلے تثویب کے طور پر ایک حدیث پڑھی جاتی ہے، جس کا مطلب نہ بانگی صاحب سمجھتے ہیں نہ مقتدی حضرات سمجھتے ہیں، اور جب نماز ختم ہوتی ہے تو دوسری دعا کی جاتی ہے، اس میں رنگینی، قافیہ آرائی اور گلے بازی کا فن دکھایا جاتا ہے، اسی طرح کے اور بھی نماز سے زائد اور غیر متعلق کام کئے جاتے ہیں، اور نماز کی چادر میں گوٹ، مغزی، اور مینا کاری کی جاتی ہے، اب اگر باہر کا کوئی آدمی ان اضافات و زوائد کو دیکھ کر حیرت کرتا ہے، یا ان کو اپنے یہاں کے طور طریقہ کے خلاف سمجھتا ہے تو پھر معتوب و مطعون ٹھہرتا ہے، اور اگر دینی اعتبار سے اور مسائل کی رو سے ان کی مخالفت کرتا ہے تو وہابی اور نہ معلوم کیا کیا بنتا ہے،

وہ تو دور: اس موقع پر ایک جہاندیدہ آدمی کی بات یاد آتی ہے، چند دن ہوئے، ایک صاحب نے باتوں باتوں میں فرمایا کہ آپ لوگوں نے آکر بمبئی کے مسلمانوں میں خشکی پیدا کر دی ہے، ورنہ اس سے پہلے یہاں تری ہی تری رہتی تھی، پیروں، اور ملاؤں کا دور تھا، سیٹھیوں اور تاجروں پر ان کا قبضہ تھا، وہ ان کی نبض خوب پہچانتے تھے، تیجا، فاتحہ، میلاد شریف، گیارہویں شریف وغیرہ مدار دین و ایمان سمجھے جاتے تھے، اور سال میں دو چار بار ان کاموں کا کر لینا ہی گھر سے جنت میں چلے جانے کا پروانہ تھا، کاروبار اور تجارت میں مصروف لوگوں کے لئے اس سے سستا نسخہ اور کیا ہوتا کہ سال میں ان تقریبات پر دو چار سو روپیہ خرچ کرنے سے اور پیر و مرشد اور مولوی و ملا کی مٹھی گرمانے سے جنت مل جاتی ہے، اب آپ لوگوں کا زمانہ آیا تو پہلے وہابی وغیرہ کہہ کر اس فضا کو بحال رکھنے کی کوشش کی گئی، مگر اب بات بگڑ گئی، اور ساری پرانی رنگینی ایک ایک کر کے ختم ہو رہی ہے،

یہ گفتگو اگرچہ مجلسی قسم کی ہے، اور اس کا انداز دوستانہ ہے، مگر اس سے بڑے کام کی باتیں معلوم ہوتی ہیں، اور بمبئی کے عام دینی مزاج اور مذہبی رجحان کا پتہ چلتا ہے،

شب برات کی نمازیں اور شب قدر کی اذانیں: سنا ہے کہ اب تک بمبئی میں بعض جگہ یہ رواج ہے

کہ شب برات کو مغرب کی نماز کے بعد باگی صاحبان کی صدارت و قیادت میں کئی قسم کی درود و برکات نمازیں ادا کی جاتی ہیں، کوئی قضائے عمری کی، کوئی درازیٔ عمر کی، کوئی استغناء کی، اور باگی صاحبان بیچ بیچ میں خاص خاص دعائیں بلند آواز سے پڑھاتے ہیں، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس طرح کی نمازیں شب برات میں کہاں سے ان لوگوں نے ایجاد کی ہیں، اور کس بزرگ سے ان کا رشتہ ایجاد جوڑا ہے، ہمیں تو آج تک کہیں ایسی نمازوں کا شب برات میں نشان نہ مل سکا، اور نہ ہی بمبئی کے باہر اس کا کہیں وجود ہے،

اسی طرح یہیں پر شب قدر میں بعض جگہ ابتک سات اذانیں کہی جاتی ہیں، اور اس کے لئے بڑا اہتمام کیا جاتا ہے، معلوم نہیں کہ یہ بھی کس پیر و مرشد کی برکت کا نتیجہ ہے، کتابوں میں تو اس خاص وقت اور خاص عدد کے ساتھ شب قدر میں زائد اذان کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے،

اس اذان کے بے اصل اور بے محل ہونے پر ہم خالص سنی مدرسہ کے مفتیوں کا فتویٰ نقل کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوگا کہ اس کا بے اصل اور بے محل ہونا وہابیوں کے نزدیک نہیں، بلکہ اپنے دعویٰ کے مطابق خالص حنفی سنی علماء کے نزدیک ثابت ہے، یہ سوال و جواب ہمیں جناب محترم محمد حسین توفیق صاحب صدر انجمن خدام النبی بمبئی نے عنایت فرمایا ہے، ملاحظہ ہو،

> کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ستائیسویں رمضان المبارک شب قدر میں بعض لوگ اصرار کرتے ہیں کہ مسجد میں بوقت عشاء سات اذانیں ہونی چاہئیں، لہذا از روئے شریعت کیا حکم ہے، اس کی کچھ اصلیت قرآن و حدیث یا اقوال صحابہ یا اقوال ائمہ اربعہ سے ملتی ہے یا نہیں، اگر کسی اصول سے صحیح ہے تو برائے کرم مدلل توضیح فرمائیں؛

اس سوال کا جواب جامعہ عربیہ ناگپور کے دو مدرس مولانا غلام محمد خاں اور مولانا ابو الجمیل محمد رضوان الرحمٰن صاحب نوری مفتی مالوہ نے حسب ذیل لکھا ہے

> شب قدر میں بوقت عشاء سات اذانیں ثابت نہیں، پھر اذانیں دی بھی جائیں تو شغل لغو و بدعات ہیں، شب قدر تو برکتوں و رحمتوں کی رات ہے، اس میں اذانوں کی کیا ضرورت ہے، واللہ تعالیٰ اعلم
>
> دستخط مفتیان   مہر مدرسہ

اس قدیم بدعت کے خلاف یہ فتویٰ کچھ کام کر سکے گا یا نہیں، ہمیں کچھ معلوم نہیں، مگر یہ ضرور معلوم ہے کہ اس طرح کی حق بات پہونچانے میں بڑا ثواب ہے، اور اب بمبئی میں اس طرح کی باتیں کہی اور لکھی جا سکتی ہیں،

غلط کاری کو فروغ نہیں ہوتا

محرم ۲۹۹ھ میں نہاوند کے قریب ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور خلفائے اربعہ کے نام پر اپنے چار خلیفہ کا انتخاب کیا، یہ سب کام اس نے نجوم اور جادو کے بل بوتے پر کیا، تو اس میں اتنا زور پیدا ہوا کہ بہت سے عوام اس کی امت بن کر اس پر اپنی دولت لٹانے لگے،

ان ہی دنوں کی بات ہے کہ اس مدعی نبوت کے مقابلہ میں ایک مدعی سلطنت بھی نہاوند ہی میں پیدا ہوا، صورت یہ ہوئی کہ بادشاہ اسپ اسلان کی اولاد میں سے ایک شخص نے خروج کر کے سلطنت کا دعویٰ کیا، مگر اسے گرفتار کر لیا گیا، اور اس کا دعویٰ حکومت جیل کا باعث بنا، ادھر وہ مدعی نبوت تھا، اور ادھر یہ مدعی حکومت، مگر دونوں ہی دو ماہ کے اندر اندر اپنے اپنے نتیجہ کو پہونچ گئے، مدعی نبوت قتل ہوا، اور مدعی حکومت گرفتار ہوا، جب دونوں کا یہ حشر ہوا تو نہاوند کے عوام کی آنکھ کھلی، اور ان کو حقیقت حال کا کھل کر اعتراف کرنا پڑا،

فکان اهل نهاوند یقولون خرج عندنا فی مدة شهرین مدع للنبوة وطالب للملك، واضمحل امرهما اسرع من كل سريع (المنتظم صـ ۱۲۶ ج ۶)

نہاوند کے لوگ کہتے تھے کہ ہمارے یہاں سے دو ماہ کی مدت میں دو آدمی نکلے، ایک مدعی نبوت، دوسرا طالب ملک، اور ان دونوں کا معاملہ اس قدر جلد ڈھیلا پڑ گیا کہ کیا کوئی چیز اس سے جلدی ہو گی،

اگر ان دونوں میں کوئی ایک بھی حق پر ہوتا تو اس کا معاملہ طول کھینچتا، اور بات اسی کی ذات تک محدود ہو کر نہ رہ جاتی، چہ جائیکہ صرف دو ماہ کے اندر اندر بجے بجے ہو جائے، یہی ایک بات دونوں مدعیوں کے بطلان کی دلیل عوام کے لئے بن گئی، اور لوگوں نے ان دونوں کے خلاف رائے قائم کر لی،

کہاں عقیدت و محبت کا یہ حال کہ لوگ اپنے مدعی نبوت پر دولت تک نچھاور کرنے لگے، اور کہاں چند ہی دنوں میں یہ حال کہ ان ہی عوام کی زبان پر اس کی غلطی اور بطلان کا چرچا ہونے لگا، یہ عوام کا معیار تصدیق اور معیار تکذیب، اسی لئے عوام کی نہ تصدیق کا اعتبار نہ تکذیب کا اعتبار، بلکہ اصل حقیقت کا ہے،

حق جوار

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

لا یمنع احدکم جارہ ان یغرز خشبۃ فی جدارہ (مسلم)

تم میں سے کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں کھونٹی گاڑنے سے نہ روکے

یعنی اگر تمہاری دیوار کسی پڑوسی کے آنگن میں پڑ گئی ہے، یا کسی کے مکان کے اندرونی حصہ میں ہے، اور وہ اس میں کھونٹی گاڑنا چاہتا ہے، یا طاق اور الماری بنانا چاہتا ہے، یا اس پر سے کوئی چھجا لگانا چاہتا ہے، اور اس میں تمہارا کوئی خاص نقصان نہیں ہے تو تم اسے اپنی دیوار میں ان کاموں سے مت روکو، کیونکہ اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوتا، اور ایک حاجتمند بھائی کا فائدہ ہوتا ہے، ہاں اگر اس طرح کے کسی کام سے تمہاری دیوار کو نقصان

نقصان پہونچتا ہے، اس میں کمزوری آتی ہے، یا چوری کا ڈر پیدا ہو جاتا ہے تو بیشک ایسی حالت میں تم اسے منع کر سکتے ہو، بلکہ ایسی حالت میں خود اسے یہ کام نہیں کرنا چاہئے، اور جس طرح تم اس کے بہی خواہ ہو اسی طرح اسے بھی تمہارا بہی خواہ بننا چاہئے، وہ تمہارا پڑوسی ہے، اور اس کے کچھ حقوق تمہارے ذمہ ہیں تو تم بھی اس کے پڑوسی ہو، اور اس کے ذمہ بھی تمہارے کچھ حقوق ہوتے ہیں، دونوں ہاتھ سے تالی بجتی ہے، اور دونوں طرف سے اخلاص و ایثار کا مظاہرہ ہوتا ہے تب جا کر تعاون اور امداد باہمی کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے،

اسلام نے بہت سے شہری حقوق اور شہریت کے آداب کو حق جوار کے ضمن میں متعین و ثابت کر دیا ہے، اگر مسلمانوں کے یہاں ان پر عمل ہونے لگے تو میونسپلٹی اور بلدیہ کا کام بہت مختصر رہ جائے، بلکہ بعض حالات میں تو اس کی ضرورت ہی نہ پڑے، اور ہر جگہ کے لوگ اپنے اپنے حقوق و مطالبات کو امداد باہمی اور حق جوار کی ادائیگی سے پورا کر لیں،

ادھرمی کا نتیجہ :۔ مسلم شریف میں حضرت سعید بن زید بن عمر بن نفیل کا واقعہ درج ہے کہ اروی نامی ایک عورت نے ان کے مکان کے بارے میں ان سے جھگڑا کیا، اور جب بات بڑھنے لگی تو سعید بن زید نے کہا کہ یہ گھر اور اروی دونوں کو چھوڑ دو، اور اسے اسی کو دے کر جھگڑا ختم کر دو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ایک بالشت بھی زمین اپنے حق کے بغیر لے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی گردن میں ساتوں طبق زمین کا طوق پہنائے گا، یہ حدیث بیان کرنے کے بعد سعید بن زید نے یہ دعا کی،

اللّٰھم ان کانت کاذبۃ فاعم بصرھا واجعل قبرھا فی دارھا

اے اللہ! اگر یہ عورت اروی اپنے دعوے میں جھوٹی ہو تو اسے اندھا کر دے، اور اس کی قبر اسی کے گھر میں بنا دے،

راوی کا بیان ہے کہ میں نے اپنی آنکھ سے اروی کو دیکھا کہ آخر عمر میں اندھی ہو کر اسی مکان کے ایک کنویں کے پاس سے گذری، اور اسی میں گر گئی، اور اس کی قبر اسی کے مکان میں بنی، (مسلم)

(۱) اہل اللہ کی بددعا رائیگاں نہیں جاتی، اول تو وہ کسی کے حق میں بد دعا نہیں کرتے، اور اگر کسی شرط کے ساتھ بددعا کرتے ہیں، اور وہ شرط پائی جاتی ہے تو ضرور پڑتی ہے، اروی نے حضرت سعید بن زید کے مکان پر اپنا جھوٹا دعویٰ کیا اور حضرت سعید نے حدیث رسول کے پیش نظر آدھی بات بھی نہیں کہی، اور معاملہ کو اروی کے ایمان پر چھوڑ دیا، اس صبر کا نتیجہ جو ہوا وہ دنیا کے سامنے آیا،

(۲) اس دنیا میں کسی کا حق مارنا سکھ نہیں لاتا، اور دنیا ہی میں اس کا برا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے، کبھی دیر اور کبھی سویر، بہر حال اس کا بدلہ ضرور ملتا ہے،

(۳) کسی کے حق میں بد دعا نہیں کرنی چاہئے، ہاں اگر کوئی کھلی کھلی برائی پر آمادہ ہے تو پھر مشروط طور پر بددعا کرنی جائز ہے، کہ اگر فلاں ایسا ہے تو اس کا انجام ایسا ہو،

(۴) کوئی بھی زمانہ ہو انسان کا نفس امارہ بہر حال اس کے ساتھ ہوتا ہے، اور کبھی نہ کبھی گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے، بڑے بڑے نیک اور متقی لوگوں کو یہ حادثہ پیش آ جاتا ہے، مگر وہ پھر توبہ و انابت کے ذریعہ سنبھل جاتے ہیں، اور اگر غلطی ہو جاتی ہے تو زندگی بھر رنج و افسوس کرتے ہیں، ایسے لوگوں کا ضمیر زندہ ہوتا ہے، اور ایمان تازہ رہتا ہے،

بدکاروں کی جسارت :۔ اس آدمی سے بڑھ کر اپنے حق میں ناعاقبت اندیش اور بدخواہ اور کون ہوگا جو اپنے پوشیدہ معائب و معاصی کو ظاہر کرے، اور جن خرابیوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حلم و عفو سے چھپا رکھا ہے، ان کو عوام میں اجاگر کرے،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، میری امت کے گناہ معاف کر دئے جائیں گے، مگر جو لوگ مجاہر ہیں، یعنی اپنے معاصی و عیوب کو ظاہر کرتے ہیں ان کی بخشش مشکل ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی نے رات میں کوئی برا عمل کیا جسے اللہ تعالیٰ نے تو چھپایا تھا مگر صبح کو اٹھ کر وہ کہتا ہے کہ اے فلاں! رات میں نے ایسا کام کیا ہے، حالانکہ رات اس کی اس طرح گذری کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس کام کو چھپا رکھا تھا، اور وہ خود صبح کو اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے چھپائے کام کو کھولتا ہے (بخاری و مسلم)

جب فسق و فجور حد سے گذر جاتا ہے، اور آدمی کا دل گناہ کرتے کرتے سیاہ پڑ جاتا ہے، اور اس میں شرم و حیا کی کوئی معمولی سی مقدار بھی نہیں رہ جاتی تو پھر وہ ایسی حرکت کرتا ہے، اور جن برائیوں کو اس نے چھپ کر کیا ہے، ان کو اپنے دوستوں میں بیان کرتا ہے، اور ان میں اپنی بہادری جتاتا ہے،

ایسے کمینے اس زمانہ میں بہت ہو گئے جو بے حیائی کی باتوں کو بیان کرنا اپنا ہنر سمجھتے ہیں، اور ان کے اظہار میں لذت پاتے ہیں، ایسے بدنصیب مجرم ہونے کے ساتھ ساتھ جری ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے حلم اور ضبط و صبر کو غیظ و غضب کی دعوت دیتے ہیں، تم سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے، اور کوئی نہ جانے تو اسے چھپائے رہو، اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ و استغفار کر کے اسے دھو دینے کی فکر کرو،

بدکاروں کی تعریف و توصیف :۔ ایک خیال ہے کہ اگر کوئی آدمی برا ہے تو اس کی برائی کے ساتھ ساتھ اگر اس میں کوئی اچھائی ہے تو اس کا اعتراف و اقرار کرنا چاہئے، اور دوسرا خیال یہ ہے کہ برے آدمی کی کسی خوبی کا اقرار و اعتراف نہیں کرنا چاہئے، بظاہر دونوں باتوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے، مگر درحقیقت اختلاف نہیں ہے، بات یہ ہے کہ جو لوگ برے آدمی کی اچھائی کا اعتراف و اقرار نہیں کرنا چاہتے، وہ بھی واقعہ اور حقیقت کو مان کر یہ بات کہتے ہیں، اور اس سے ان کا مقصد اس برے آدمی کی زجر و توبیخ ہوتا ہے، اور

اس طرح اس کی سزا ہوتی ہے کہ وہ اپنے حالات کو بدلنے کی کوشش کرے، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ کا بیان ہے،

من عقوبۃ الکذاب ان یرد علیہ صدقہ

جھوٹے کی سزا یہ ہے کہ اس کا سچ بھی رد کر دیا جائے،

رانع بن اشرس نے سلف صالحین کا یہ قول بیان کیا ہے، اور صحیح کہا ہے، اور میں کہتا ہوں کہ

ومن عقوبۃ الفاسق المبتدع ان لا تذکر محاسنہ (کفایہ صفحہ ۱۱۷)

فاسق اور بدعتی کی سزا یہ ہے کہ اس کی خوبیوں کو بیان نہ کیا جائے،

یعنی جھوٹے آدمی کا کوئی سچ اپنی جگہ ہے، اور بدکار و فاسق کا کوئی اچھا کام اپنی جگہ ہے، مگر اس بات کا اقرار و اعتراف کرنے سے ان کی ہمت افزائی ہوتی ہے، اس لئے ایسا نہیں کرنا چاہئے، یہ تو بزرگوں کی بات ہے، آج کل تو فاسقوں فاجروں کی تعریف کے پل باندھے جاتے ہیں،

زبان خلق:- محاضرات وقصص کی کتابوں میں ہے کہ ایک آدمی نے اپنے لڑکے کو لوگوں کے اختلاف طبائع اور اختلاف آراء کا تجربہ کرانا چاہا، اور اس کی شکل یہ کی کہ ایک سواری لی، اور خود اس پر اور اپنے لڑکے کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھایا، اور چلتے چلتے کچھ لوگوں کے پاس سے گذرا تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ شخص کس قدر سخت دل اور ظالم ہے کہ مسکین و کمزور جانور پر دوہری سواری کرتا ہے، آدمی نے لڑکے سے کہا کہ اچھا آؤ اب باری باری سواری کریں، یہ کہ کر آدمی سوار ہوا، اور لڑکا پیچھے پیچھے پیدل چلنے لگا، جب کچھ لوگوں کے پاس سے اس حالت میں گذرا تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ آدمی جانور پر تو رحم کرتا ہے، مگر اپنی اولاد پر رحم نہیں کھاتا، حالانکہ لڑکا دل کا ٹکڑا ہے، یہ سن کر وہ آدمی اتر پڑا، اور لڑکے کو سوار کر کے خود پیدل چلنے لگا، اب ملنے والوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ لڑکا کس قدر بدتہذیب ہے کہ خود تو سواری کرتا ہے، اور اپنے بوڑھے کمزور باپ کو اپنے پیچھے پیدل چلاتا ہے، باپ نے لڑکے سے کہا کہ اب ایک صورت یہی رہ گئی ہے کہ ہم دونوں پیدل چلیں، اور سواری کو خالی لے چلیں، تاکہ لوگوں کی تنقید سے محفوظ رہیں، مگر اس حال میں بھی وہ دونوں لوگوں کی زبان سے نہ بچ سکے، اور جب بھی کسی مجمع پر دونوں گذرتے لوگ کہتے کہ یہ دونوں کتنے احمق ہیں کہ دونوں پیدل چل رہے ہیں، حالانکہ تندرست اور مضبوط سواری موجود ہے، اس کے بعد باپ نے لڑکے سے کہا۔

"بیٹے! جب ہم دونوں نے سواری کی تو لوگوں نے سخت دل بتایا، جب میں تنہا سوار ہوا تو مجھے بیوقوف بتایا، جب تم تنہا سوار ہوئے تو لوگوں نے تم کو بدتہذیب بتایا، اور دونوں پیدل چلے تو دونوں کو بیوقوف بتایا، اب سمجھ لو کہ کوئی آدمی کسی حالت میں بھی لوگوں کی زبان سے محفوظ نہیں رہتا"،

اللہ اور مخلوق:- یوں تو اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جن میں کسی حال میں بھی آدم کی زبان سے بچنا ناممکن رہنے کی مشکلات کا اظہار ہے، حضرت قاضی شریح جیسے پارسا باخدا اور عالم دین سے جب پوچھا گیا کہ آپ نے لوگوں کو اپنے بارے میں کیسا پایا تو فرمایا کہ میرے آدھے ملنے والے مجھ سے ناراض ہیں،

اس لئے لوگوں کو راضی رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ اس میں بڑی سلامتی ہے، اور لوگوں کے شر سے حفاظت ہے، لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ لوگ ہر حال میں بدظنی قائم کرتے ہیں، لہذا عوام سے ہٹ کر اللہ و رسول کی رضامندی چاہی جائے، کہ ان کی رضا کے بعد سب کی ناراضگی ہیچ ہے، بلکہ اللہ و رسول کی خوشنودی سے دنیا راضی ہو جاتی ہے، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں،

من ارضی اللہ باسخاط الناس کفاہ اللہ ما بینہ وبین الناس ومن ارضی الناس باسخاط اللہ وکلہ اللہ الی الناس، ومن اصلح سریرتہ اصلح اللہ علانیتہ ۔

جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کو راضی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان کتنے کام ہیں سب کے لئے کافی ہو جاتا ہے، اور جو شخص اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ڈال دیتا ہے، اور جو شخص اپنا باطن درست کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا ظاہر بھی درست فرما دیتا ہے،

ام المومنین صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا کی یہ بات معاشرتی زندگی میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، اور ہر ذمہ دار شخص کی زندگی کا معیار بننے کے لائق ہے، اگر ہم عوام کی قیل و قال سے ہٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر لیں تو زبان خلق ہماری بدگوئی نہیں کر سکتی، اور نہ ہی ہماری کسی سے دشمنی ہو سکتی ہے، بلکہ ایسا ہوگا کہ تمام لوگ ہی یا تو خاموش رہیں گے یا اچھائی سے یاد کریں گے، اور دونوں حالت میں امن و سلامتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے،

تین بھائی:- علمائے اسلام اور بزرگان دین میں حضرت امام شیخ ابو زکریا یحییٰ بن معاذ بن جعفر رازی متوفی ۲۵۸ھ رحمۃ اللہ علیہ بڑے صاحب دل، عارف باللہ، اور زاہد و عابد اہل اللہ میں سے ہیں، احادیث کی تعلیم شیوخ وقت امام اسحٰق بن ابراہیم رازی، امام مکی بن ابراہیم بلخی امام علی بن محمد طنافسی وغیرہ سے حاصل کی تھی، آخر عمر میں رے سے نیساپور چلے آئے تھے، اور وہیں وفات پائی، یہ تین بھائی تھے، اسماعیل، یحییٰ اور ابراہیم، اسماعیل سب سے بڑے تھے، یحییٰ منجھلے بھائی اور ابراہیم سب سے چھوٹے تھے،

وکانوا کلھم زھادا

اور یہ تینوں بھائی عابد و زاہد تھے،

(صفۃ الصفوۃ ج ۴ ص ۷۱)

یہ پورا گھرانا ہی عالموں اور زاہدوں کا تھا، اور تینوں بھائی زہد و عبادت میں مشہور زمانہ تھے، ہمارے زمانہ میں کسی گھرانے میں اگر ایک آدھ آدمی عالم و فاضل یا دیندار گزر جاتے ہیں تو پورا خاندان نسلاً بعد نسل ان پر فخر کرتا ہے، ان کے نام سے عزت چاہتا ہے، اور پیری مریدی کا اڈا قائم کر کے عوام پر اپنی برتری ثابت کرنا اپنا حق جانتا ہے، مگر ہمارے اسلاف کا یہ حال تھا کہ خاندان کا خاندان عالم و فاضل اور عابد و زاہد ہوتا تھا، اور اس کے بعد بھی اپنے کو سب سے کمتر سمجھتا تھا، اللہ تعالیٰ

ان تینوں بھائیوں پر رحمت کی بارش کرے آمین

ان تینوں بھائیوں میں حضرت ابوزکریا یحییٰ بن معاذ بن جعفر بہت ہی مشہور بزرگ ہیں، اور ان

تعلق مع اللہ:۔ کی زندگی امت مسلمہ کے لئے اسوہ وقدوہ ہے، ان کا اللہ تعالیٰ سے جو تعلق تھا وہ تعلق مع اللہ کا بہترین مظہر تھا، اس سلسلے میں ان کا ایک جملہ سننے کے قابل ہے، اللہ تعالیٰ کو خطاب کرکے عرض کرتے ہیں،

کیف امتنع بالذنب من الدعاء ولا اراک تمتنع بذنبی من العطاء	اے اللہ! میں گناہ کی وجہ سے کس طرح دعا کرنے سے باز رہوں جبکہ میں دیکھتا ہوں کہ تو میرے گناہ کے باوجود عطا کرنے سے باز نہیں رہتا،
(" صفہ ۷۲)	

عبدیت وتعلق مع اللہ کا یہ انتہائی مقام ہے کہ اہل اللہ وعارفین مالک ومولیٰ سے اپنے تعلق خاص کی بنا پر عرض کرتے ہیں، اے اللہ! جب تو ہمارے گناہوں کے باوجود ہمیں کھانا، پینا، روزی، عزت، صحت غرضکہ سب کچھ دے رہا ہے تو ہم گناہگار پھر تجھ سے کیوں نہ دعا کریں اور کیوں نہ مانگیں، ہم گناہگار ہیں اور تو غفور ورحیم ہے، تیری بخشش اور ہماری معصیت دونوں اپنی اپنی جگہ مسلم ہیں، تیری رب العالمینی نے ہم گناہگاروں کو حرمان نصیب نہیں چھوڑا ہے،

ایک مرتبہ ان کے بڑے بھائی اسماعیل بن معاذ سے ایک آدمی نے کہا کہ آپ کے بھائی یحییٰ بن معاذ کس کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں جو انھوں نے مخلوق سے کنارہ کشی کرلی ہے، اسماعیل نے اپنے بھائی یحییٰ بن معاذ سے یہ قول نقل کیا تو آپ نے فرمایا کہ آپ نے اس آدمی سے یہ کیوں نہیں فرمادیا

مع من ھجر ھم فیہ	جس کے لئے اس نے سب کو چھوڑا ہے اسی کے ساتھ زندگی بسر کریگا، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ،
(" صفہ ۷۳)	

جو دنیا سے ذکر الٰہی کے لئے قطع تعلق کرتا ہے، اور اسی ایک کے لئے سب سے منھ موڑتا ہے، اس کے بارے میں سوال کرنا کہ وہ اس دنیا میں کس معاشرہ اور کس سوسائٹی کے ساتھ رہے گا، بڑا سطحی سوال ہے، ایسے ہی لوگ تو اس دنیا میں اہل اللہ یعنی اللہ والے کہے جاتے ہیں،

تعلق مع الخلق اللہ کے ساتھ اللہ والوں کا جو تعلق ہوتا ہے اس کا نقشہ تو معلوم ہوا، اب اللہ والے دنیا والوں کے ساتھ کیسا تعلق رکھتے ہیں اسے بھی حضرت یحییٰ بن معاذ رازی کی زبان سے سنئے، فرماتے ہیں،

لیکن حظ المومن منک ثلاثا ان لم تنفعہ فلا تضرہ، وان لم تفرحہ فلا تغمہ، وان لم تمدحہ فلا تذمہ	ایک مومن کا تم میں یہ تین حق ہونا چاہئے (۱) اگر تم اسے نفع نہ پہونچا سکو تو اس کو نقصان بھی مت پہونچاؤ (۲) اگر تم اسے خوش نہ کرسکو تو پھر اسے رنجیدہ بھی مت کرو (۳) اگر تم اس کی خوبی نہیں بیان کرسکتے تو اس کی برائی بھی مت کرو،

ایک مومن کی معاشرتی زندگی، اور انسانوں سے تعلق کے یہ تین گر ایسے ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے صالح معاشرہ کا ظہور ہوتا ہے، اور انسانی بستی میں انسانوں کی وجہ سے خیر وبرکت کا ظہور وعروج ہوتا ہے،

(۱) جہاں تک ہوسکے تم لوگوں کو اپنی ذات سے فائدہ پہونچاؤ، اور اپنے کو لوگوں کے حق میں مفید بناؤ، ورنہ کم از کم اتنا ہی کرو کہ تمھاری ذات سے کسی کو نقصان نہ پہونچے، کہ یہ بہت ہی گراوٹ کی بات ہے، (۲) جہاں تک ہوسکے تم لوگوں کو خوش کن باتیں سناؤ، نیکی کے راستے دکھاؤ، نشاط وسرور کو بحال رکھو، اور غم والم دور کرنے کی کوشش کرو کہ انسانیت کو تر وتازہ رکھنا بہت ہی مبارک اور مفید کام ہے، لیکن اگر تم یہ نہیں کرسکتے تو پھر اپنے اخلاق سے اپنی باتوں سے اور اپنے طور وطریقہ سے لوگوں میں رنج وغم مت پھیلاؤ، اور خوف وہراس کی بات نہ کرو، (۳) سب کو اچھا سمجھو، اور اچھائی کی دعوت دو، اور اگر تم سے یہ کام نہیں ہوسکتا تو لوگوں کی غیبت، چغل خوری اور برائی نہ کرو،

علامہ ابن جبیر اندلسی رح علامہ ابن جبیر اندلسی متوفی ۶۱۴ھ ان کا پورا نام ونسب یہ ہے ابو الحسین محمد بن احمد بن جبیر بن سعید بن جبیر بن سعید بن جبیر بن محمد بن عبد السلام کنانی اندلسی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن جبیر بہت بڑے محدث وفقیہ اور عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب دل بزرگ اور ادیب وشاعر اور انشا پرداز بھی تھے، اپنے زمانہ کے بڑے بڑے علماء ومحدثین سے حدیث وقرآن کی تعلیم حاصل کی، اور ان کے شاگردوں میں بہت سے ائمہ علم ودین شامل ہیں، شیخ محی الدین بن العربی رح کے معاصر بلکہ ان کے احباب میں ہیں،

انھوں نے اندلس سے مشرق کا تین مرتبہ سفر کیا، اور ہر سفر میں علم اور دین کو مقصد بنایا، اور ہر مرتبہ حج وزیارت کی دولت حاصل کی،

پہلا سفر اندلس سے مشرقی ممالک کا ۸ رشوال ۵۷۸ھ کو پنجشنبہ کے دن کیا، اور اپنے وطن غرناطہ محرم ۵۸۱ھ میں واپس ہوئے، دوسرا سفر اس وقت کیا جبکہ سنا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس پر مسلمانوں کو قبضہ دے دیا ہے، اس خوشی میں جمعرات ۹ ربیع الاول ۵۸۵ھ کو اندلس سے چلے، اور جمعرات ۱۳ رجب ۵۸۷ھ کو غرناطہ واپس ہوئے،

اور تیسرا سفر اپنی بیوی کے انتقال پر سبتہ سے مشرقی دنیا کی طرف کیا، علامہ ابن جبیر کا سفرنامہ "رحلۃ ابن جبیر" کے نام سے عربی زبان میں چھپا ہے، مدت ہوئی اس کا اردو ترجمہ بھی حکیم اجمل خاں مرحوم نے رامپور سے شائع کیا تھا، جو اب نادر ہوگیا ہے، اور عربی کا اصل نسخہ مصر میں بار بار چھپا ہے، اور ملتا ہے،

ایک گناہ کی وجہ سے حج علامہ ابن جبیر رح کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے ابو سعید بن عبد المومن حاکم غرناطہ کی طرف سے کسی دوسرے حاکم کے پاس ایک شاہی فرمان لکھا، اس نے ان کے حسن تحریر اور کمال انشا پردازی کو دیکھ کر دوبارہ اس خدمت کے لئے بلایا، اس وقت وہ شراب پی رہا تھا، اس نے

علامہ ابن جبیر کی طرف بھی ایک جام بڑھایا، آپ نے انقباض ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ سیدی میں نے کبھی شراب نہیں پی ہے، یہ سن کر اس نے بدمستی کی حالت میں قسم کھایا کہ آپ کو سات جام پینا پڑے گا، جب آپ نے دیکھا کہ کام نہیں چل سکتا، اور اس حاکم کی نافرمانی میں جان کا ڈر ہے تو مجبوراً آپ نے سات جام شراب کے پیئے، حاکم نے جام میں سات مرتبہ اشرفیاں بھر بھر کر آپ کے سامنے گرائیں، آپ اس وقت چپکے سے ان اشرفیوں کو لے کر اپنے مکان چلے آئے، اور جب ابو سعید حاکم غرناطہ کی محفل سے اٹھے تو دل میں یہ نیت کر کے اٹھے کہ اس مجبوری کی حالت میں شراب پینے کا کفارہ یوں ادا کرونگا کہ حج کرونگا، اس کے بعد ایک مرتبہ ابو سعید سے جا کر فرمایا کہ میں نے ایسی قسم کھائی ہے کہ اس سے بری ہونے کے لئے حج کو جاؤں؟ وہ بھی اسی سال ضروری ہے، یہ سن کر ابو سعید نے افسوس کیا، ادھر علامہ ابن جبیرؒ نے اپنی جائداد فروخت کر کے حج کے لئے توشہ راہ بنایا، اور ان اشرفیوں کو حج کی راہ میں خرچ نہیں کیا، بلکہ دوسرے کار خیر میں خرچ کیا۔ (مقدمہ رحلۃ ابن جبیر صہ ۱۱ طبع مصر)

ان بزرگان دین اور علمائے اسلام کی عزیمت کو آج کے دور میں کون سمجھ سکتا ہے جو اضطراری گناہ پر اس درجہ نادم ہوتے تھے کہ اپنے اوپر حج کو لازم کر لیتے تھے، اور توبہ و استغفار کے ساتھ ساتھ حج و زیارت کو صفائی قلب کے لئے ضروری قرار دیتے تھے، آج تو بہت سے لوگ گناہ معاف کرانے کے لئے حج کرنے کے ساتھ ساتھ گناہ کرنے کے لئے بھی حج کرتے ہیں اور حاجی ہو کر پاجی ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو دین میں عزیمت و استقامت دے، اور توبہ و استغفار کی توفیق کے بعد پھر معصیت میں گرفتار ہونے سے بچائے، آمین۔

وطن کی یاد

اس سفر میں جب علامہ ابن جبیرؒ اندلس سے بغداد پہونچے تو مشرقی دنیا کے اس عظیم الشان شہر کی رونق اندلس اور غرناطہ کی یاد کو فراموش نہ کرا سکی، اور بڑے والہانہ انداز میں اپنے وطن کو یاد فرمایا،

سقی اللہ باب الطاق صوب غمامۃ   وردّ الی الاوطان کل غریب

اللہ تعالیٰ میرے محلہ باب الطاق کو خوش گوار بادل سے سیراب کرے اور ہر غریب الدیار مسافر کو اس کے وطن میں پہونچائے،

غریب تذکر اوطانہ   نہیج بالذکر اشجانہ

ایک غریب الدیار مسافر جس نے اپنا وطن یاد کیا تو اس کی وجہ سے اس کے غم میں تازگی اور بحرانی کیفیت پیدا ہوگئی،

یحل عری صبرہ بالاسی   ویعقد بالنجم اجفانہ

اس کے صبر کی بندشیں غم کی وجہ سے کھلتی جاتی ہیں، اور اس کی پلکیں ثریا ستارے سے بندھی ہوتی ہیں،

سچ ہے انسان کو وطن کی یاد ہر حال میں ستاتی ہے، اور یہ فطری جذبہ ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو کون مسلمان حرمین شریفین جا کر وہاں سے نکلنے کی نیت کرتا،

مسلمان سرمایہ دار علم و حکمت کے مربی تھے

امام لیث بن سعد مصری رحمۃ اللہ علیہ فقیہ اہل مصر ہیں، خالد

بن ثابت فہمی کے غلام تھے، مگر ذاتی طور سے بہت مالدار اور صاحب ثروت تھے، ان کی جاگیر سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کے علاوہ سالانہ آمدنی پانچ ہزار دینار (تقریباً پچیس ہزار روپیہ) تھی،

وکان یطعم اصحاب الحدیث الفالوذج، ویطرح فیہ الدنانیر، وکان سریاً جواداً (کتاب الذخائر والتحف صہ ۲۲۳)

آپ محدثین کو اس طرح فالودہ کھلایا کرتے تھے کہ فالودہ میں دینار رکھ دیا کرتے تھے، ویسے بھی آپ بہت بڑے سخی اور سردار قوم تھے،

فقیہ منصور بن عمار کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں لیث بن سعد کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے ایک ہزار دینار عطا فرمایا، اور یہ کہا

صن بھذہ الدنانیر الحکمۃ التی اتاک اللہ۔ (ایضاً)

تم ان دنانیر سے دین کے اس علم کی حفاظت کرو جسے اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے،

اوپر کے واقعہ میں عوام کے ساتھ مسلمان سرمایہ دار کے حسن سلوک اور داد و دہش کا ذکر ہے، اور اس واقعہ میں علماء اور محدثین پر ایک امام و فقیہ اور محدث کے دولت خرچ کرنے کا تذکرہ ہے، اس واقعہ میں ایک خاص بات قابل لحاظ یہ ہے کہ امام لیث بن سعد علماء و محدثین کو کس خوبصورت طریقہ سے رقمیں دیا کرتے تھے، اور ان کی داد و دہش حکمت اور علم دین کی حفاظت و صیانت کے لئے تھی، اور اس کا مقصد دین کا احترام تھا،

جس دور میں عوام کے اہل حاجت اور اہل علم کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا یہ نظام مسلمان سرمایہ داروں میں تھا وہ دور بڑا مبارک تھا، اہل علم و فضل کے حق میں بھی، اور عوام کے حق میں بھی، نیز سرمایہ داروں اور دولت مندوں کو بھی ہر طرح کی عافیت تھی، اور وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہوا کرتے تھے،

مسلمان سرمایہ داروں کی خیرات

مسلمان مالداروں اور سرمایہ داروں کا ذہن قارونی نہیں تھا، بلکہ حاتمانہ تھا، وہ اپنے مال اور دولت کو عوام کے لئے اس طرح عام رکھتے تھے جس طرح اپنے لئے استعمال کرتے تھے، اس بارے میں بہت ہی فراخ دل، بلند حوصلہ اور وسیع القلب تھے، قرآنی تعلیمات کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے، اور کاروبار اور تجارت میں ہمیشہ دین و دیانت کے اصولوں پر عمل کرتے تھے، اسی طرح عوام، غرباء، محتاج، اور ارباب حاجت بھی مسلمان سرمایہ داروں اور مالداروں کو دعا دیتے تھے، اور ان کے وجود کو اپنی بستی کے لئے رحمت گردانتے تھے،

اس طرح کے تاریخوں میں بہت سے واقعات موجود ہیں، اور پورا اسلامی دور اس طرح کے دولتمندوں کے وجود سے مالامال نظر آتا ہے، بعض کتابوں میں خاص طور سے ایسے لوگوں کے دلچسپ حالات موجود ہیں، چنانچہ قاضی رشید بن زبیرؒ نے کتاب الذخائر والتحف میں لکھا ہے کہ

وکان محمد بن سلیمان یتصدق کل سنۃ بخمس مأۃ الف دینار، وفی کل لیلۃ ألفا، وکان لہ خمسون الف مولی، منھم اثنا عشر الفا عتقاء

(صفحہ ۲۲۲)

محمد بن سلیمان ہر سال پانچ لاکھ دینار خیرات کیا کرتے تھے، اور ہر رات ایک ہزار دینار خیرات کرتے تھے، ان کے پاس کل پچاس ہزار غلام تھے، ان میں سے بارہ ہزار آزاد تھے

اگر موٹے حساب کی رو سے صرف پانچ روپیہ کا ایک دینار مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ محمد بن سلیمان سالانہ پچیس لاکھ روپیہ خیرات کرتے تھے، اور ہر رات پانچ روپیہ تقسیم کرتے تھے، عوام اور حاجتمندوں کو اتنی رقم سالانہ اور روزانہ دینے کے بعد یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وہ پچاس ہزار انسانوں کا نان ونفقہ اور سکنیٰ وصحت وغیرہ کے ذمہ دار تھے، اور ان لوگوں کی زندگی بظاہر محمد بن سلیمان کے سہارے بسر ہوتی تھی،

آج کوئی بڑا سے بڑا سرمایہ دار اس قسم کو حل سکتا ہے؟ پھر دنیا میں امیری غریبی کا سوال کیوں نہ اٹھے، اور لوگ سرمایہ داروں کی جان کے پیچھے کیوں نہ پڑے ہیں؟

ایک شاہی جشن

خلیفہ عباس متوکل نے اپنا ایک عالیشان قصر مقام "برکوارا" میں بنوایا جو سرمن رائ سے چار فرسنگ کی دوری پر تھا، یہ قصر متوکل کے ذوق تعمیرات کا بہترین نمونہ تھا اور اس نے اس میں اپنا تمامتر سرمایہ حسن ذوق صرف کر دیا تھا، اس قصر پر کل بیس لاکھ درہم خرچ ہوئے، جب اس کی تکمیل ہو گئی تو متوکل نے اپنے شہزادے ابو عبد اللہ المعتز کو ہبہ کرنا چاہا، اور اس تقریب کے لئے ایک نہایت پرتکلف اور شاندار جلسہ اور دعوت کا انتظام کیا، معتز کی بن نے اس تقریب کی مناسبت سے دراہم ڈھلوائے تھے جن پر یہ عبارت تھی۔ برکۃ من اللہ لاعذ ار ابی عبد اللہ المعتز باللہ اس کثرت سے ایک لاکھ دراہم ڈھالے گئے تھے، جو خاص طور سے نوکر چاکر، گھر کے خادمین اور جلیم (باہر) پر لٹائے گئے،

فنثرت علی المزین ومن فی خیرۃ والغلمان والشاکریۃ وخدام الدار والخدم الخاصۃ من البیضان والسودان

مزین اور جو لوگ اس کے درجہ کے تھے ان پر سب اور غلاموں، چاکروں، گھر کے نوکروں، اور خصوصی خادموں پر جو کہ کالے گورے تھے یہ دراہم لٹائے گئے،

یہ تو خصوصی اور یادگار دراہم گھر کے ملازموں اور خصوصی خدام کو دئے گئے اور ویسے تمام اعیان دولت نے بیشمار روپیہ پیسہ لٹایا، اور حکومت کی طرف سے خوب خوب سونے چاندی کی بارش کی گئی، قاضی رشید بن زبیر نے اس مجلس کے حاضر باشوں کی جو فہرست دی ہے، اس میں امراء، کبراء، شعراء، ادباء، مورخین سب کے نام ملتے ہیں، گانے بجانے والوں میں عمرو بن بانہ، احمد بن علاء، ابن حفصی، ابن مکی، سلک رازی، عثعث، عزۃ، سلیمان طبال (طبلچی) ابن قصار، صالح دفاف (دف بجانے والا) زنام زامر (بانسری نواز) بنان راس البغل، حریرۃ حائک

وغیرہ کے نام موجود ہیں، اسی طرح گانے بجانے والیوں میں عورتوں کی ایک پارٹی کے نام ہیں۔ بڑے بڑے لوگوں پر جو دولت لٹائی گئی اس کا شمار تو کیا ہوگا، نوکروں اور ملازموں پر جو نوازش ہوئی اس کا اندازہ اسی روایت سے ہو سکتا ہے، ابراہیم بن عباس صولی کا بیان ہے کہ

سألت اباحرملۃ المزین فی ھذا الیوم کم صار الیک الی ان وقع الصلح فقال نیف وثمانون الف دینار، سوی الصیاغات والخواتیم والجوھر والعدات

میں نے ابو حرملہ مزین (اصلاح کرنے والے) سے دریافت کیا کہ اس دن تم کو کہاں تک کیا آمدنی ہوئی تو اس نے بتایا کہ قسم قسم کے کپڑوں، انگوٹھیوں اور دعادوں اور دوسرے سامانوں کے علاوہ مجھے اسی ہزار سے زائد دینار ملے، ایک دینار تقریباً پانچ روپیہ کے برابر ہوتا ہے،

(۹۰ — ۹۳)

رسم ختنہ کے موقع پر

خلیفہ القادر باللہ نے اپنے پانچ بچوں کو ختنہ کرایا، جن کے نام یہ ہیں (۱) محمد (۲) ہارون، (۳) عباس (۴) ابراہیم (۵) اسحاق،

یہ تقریب سنیچر ۸ جمادی الاول ۳۰۳ھ کو ہوئی، اس تقریب پر اس نے یہ کام کیا

ذنثر علیھم خمسۃ آلاف دینار عینا، ومائۃ الف درھم ورقا، وختن قبل ذالک جماعۃ من الایتام وفرق فیھم دراھم وکسوۃ، واحسن الیھم، وبلغت النفقۃ علی ھذا الطھر مدت مائۃ الف

اپنے بچوں پر پانچ ہزار دینار سرخ اور ایک لاکھ درہم سفید نچھاور کئے، اور اس سے پہلے ان کو غسل کرا دیتے وقت یتیموں کی ایک جماعت کو غسل کرایا، اور ان میں روپئے اور کپڑے تقسیم کئے، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا، اس موقع پر اس نے کل چھ لاکھ کی رقم خرچ کی،

(کتاب الذخائر والتحف صفحہ ۱۲۶)

یہ ہے مقام مسلمان امراء وحکام اور سلاطین کے نزدیک مسلمان یتیموں اور بے کسوں کا، کہ وہ اپنے بچے کے ختنہ کے موقع پر ہزاروں یتیموں کے ختنے کراتے تھے، ان کو نئے نئے جوڑے اور نقد روپیہ پیسہ بھی دیا کرتے تھے، اور ان کے ساتھ نہایت رحیمانہ و کریمانہ برتاؤ کرتے تھے،

کیا ایسے سرمایہ داروں اور بڑوں کی اقبال مندی کے لئے معاشرہ کے غرباء، ومساکین ایتام واراہل اور مجبور قسم کے لوگ دعا نہ دیتے رہے ہونگے، کہ اللہ تعالیٰ ان کو خوش وخرم رکھے، اور ان کو پھلنے پھولنے کا موقع دے، تاکہ ہم غریبوں اور مسکینوں کا کام بھی چلے، اور ان کے لڑکوں، بچوں کے ختنہ اور شادی کے موقع پر ہمارا کام بھی اسی شان وشوکت سے نکل جائے، جس شان سے ان کا کام نکلتا ہے،

اب بھی مسلمانوں میں ایسے صاحب دل سرمایہ دار ہیں جو اپنے بچوں کی شادی کے موقع پر محلہ کے غریب نادار بچوں

کی شادی اسی شان و شوکت سے کرتے ہیں، جس شان سے اپنے بچوں کی شادی کرتے ہیں، اور آبادی کے لوگ ان کو اور ان کے بچوں کو دعا دیتے ہیں، کہ ان کی خوش حالی و بحالی میں ان کی خوش حالی و بحالی ہوتی ہے،

معز الدین اللہ کا کارنامہ:- ۳۵۱ھ میں مصر و افریقیہ کے مشہور فاطمی حکمران المعز الدین اللہ نے اپنے لڑکوں عبداللہ، نزار، اور عقیل کا ختنہ کرایا، اور جب اس رسم کے سلسلہ میں غسل و تطہیر کا ارادہ کیا تو برقہ سے لے کر سجلماسہ کی انتہائی حدود تک اور جزیرہ صقلیہ و سسلی اٹلی تک جس قدر علاقے اس کی قلمرو میں شامل تھے سب کے عمال کے پاس لکھا کر ہماری پوری مملکت کے تمام دیہاتوں، شہروں، اور ریگستانی و پہاڑی مقامات میں جس قدر بچے پائے جاتے ہیں، سب کی رسم تطہیر و ختنہ ادا کی جائے، اس معاملہ میں گورے کالے، بلند طبقہ، معمولی طبقہ، آزاد اور غلام سب برابر ہیں، ایک ماہ تک پوری مملکت کے بچوں کے ختنہ کی تقریب منائی جائے، اور جو لوگ اسے نہ چاہیں ان پر زبردستی کی جائے،

وامرهم القيام بجميع نفقاتهم وكسواتهم، وما يصلح احوالهم من مطعم ومشرب وملبس وطيب وغير ذالك، بمقدار مراتبهم واحوالهم

اور عمال کو حکم دیا کہ ان تمام کے اخراجات، کپڑے، اور کھانے پینے، پہننے اور خوشبو دینے میں جو چیزیں ضروری ہوں، سب کو وہ مہیا کریں، اور اس بارے میں لوگوں کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھیں کہ جو جس مرتبہ کا ہو اس کے لئے ویسے ہی اخراجات دئے جائیں،

مورخوں کا بیان ہے کہ اس سلسلہ میں شاہی خزانہ سے صرف ایک جزیرہ صقلیہ میں خلعتوں اور کپڑوں کے علاوہ جو رقم بھیجی گئی اس کی مقدار پانچ لاکھ دینار تھی، اسی حساب سے پوری مملکت کے عمال کو رقم دی گئی تاکہ وہ اپنے یہاں کے عوام پر اس تقریب میں خرچ کریں، اس ایک ماہ کی مدت میں بعض دن تو معز الدین اللہ خود بارہ بارہ ہزار بچوں کا ختنہ کراتا تھا اور کسی کسی دن اس سے زیادہ اور کم تعداد ہو جاتی تھی،

عبداللہ بن ندیم قیروان کا بیان ہے کہ اس ایک ماہ کی مدت میں ختنے پر جس قدر کپڑوں کی چندی خرچ ہوئی، اس کی مقدار بغدادی وزن کے قنطار سے ایک سو ستر قنطار تھی (کتاب الذخائر والتحف صفحہ ۱۲۵)

یہ ان حکمرانوں کے عوامی کارنامے ہیں جن کو آج کے نام نہاد جمہوریت پسند اور اشتراک و اشتمال پسند بھی بھر کر کہتے ہیں، اور ان کو شخصی حکمراں ہونے کی وجہ سے انسانیت کا دشمن ثابت کرتے ہیں، مگر خود آج ان کے نام نہاد عوامی حکمرانوں کا حال یہ ہے کہ ان کی بیٹی کی شادی پر پوری مملکت کی دولت کھینچ کر چلی آتی ہے، اور اس قدر بے دردی سے عوامی دولت خرچ کی جاتی ہے کہ فرعون و نمرود نے بھی اپنے بال بچوں کی شادی کے موقع پر اس بے دردی سے اپنی دولت نہیں لٹائی ہوگی، پھر مزے کی بات یہ ہے کہ پوری مملکت تو درکنار کسی ایک عامی بچہ کو جوڑا تک نہیں دیا جاتا،

آپ اپنے یہاں کے کسی وزیر کے لڑکے لڑکی کی شادی کی تقریب دیکھ لیجئے تو معلوم ہو جائے کہ آج کے ہمارے عوام نواز حکمراں عوام کے ہمدرد ہیں یا عوام ان کے زر خرید غلام کی طرح ہیں،

امریکی جہازوں کا بائیکاٹ عربیہ متحدہ کے جہاز "قلوپطرہ" کا بائیکاٹ کیا، جس کے جواب میں نہر سوئز کے مزدوروں نے اسرائیلی جہازوں کو نہر سوئز سے نہ گذرنے دینے پر امریکہ کے مزدوروں نے مجبور ہو کر امریکی جہازوں کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا ہے، اور بڑی شدت کے ساتھ ان کی یونین نے امریکہ کے ان تمام جہازوں میں کام نہ کرنے کا ارادہ کیا، جو نہر سوئز سے گذرنے والے ہیں،

مصری مزدوروں کا یہ فیصلہ جرأت مندانہ ہے، اور اس سے ان کی جرأت و بہادری کا اندازہ ہوتا ہے، عزم و ارادہ کی یہ پختگی نہر سوئز کے قومیانے کا نتیجہ ہے، اور آنکھ سے آنکھ ملا کر بات کرنے کا حوصلہ مصر کے مزدوروں کو اسی لئے ہوا ہے کہ وہ اپنے کو آزاد محسوس کر رہے ہیں، اور جہازوں کی عالمی گذرگاہ ان کی قومی ملکیت ہے، اور وہ اس کے تنہا مالک ہیں،